علم درایت اور موضوع روایات

ڈاکٹر محمد سلیم

کسی بھی حدیث کی کیفیت جاننے کے لیے علم روایت اور علم درایت دونوں ہی ضروری ہوتے ہیں۔ علم روایت سے مراد وہ علوم ہیں جن کے ذریعہ رجال حدیث کی تحقیق وتفتیش کی جاتی ہے اور علم درایت سے مراد وہ علم ہے جس کی بنیاد پر متنِ حدیث کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ اسلاف نے حدیث کی کیفیت جاننے کے لیے دونوں طرح کے علوم ایجاد کیے۔ یہ دونوں ہی علوم اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یعنی اگر کسی بات کی حقیقت اور صداقت کو پرکھنے کے لیے یہ معلوم کرنا بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا بیان کرنے والا کون اور کیسا ہے اس کی دینی اور اخلاقی حالت کیا ہے۔ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اسی طرح یہ جاننا بھی بے حد ضروری ہے کہ جو بات کہی جارہی ہے اس میں صداقت کا امکان کس حد تک ہے۔ حالات کے پیش نظر کیا ایسا ممکن بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حدیث کی کیفیت جاننے کے لیے علم راوی اور مروی دونوں ہی ضروری ہیں۔ ان دونوں میں سے اگر کسی ایک کو بھی نظر انداز کیا جائے تو حدیث کی حقیقت وماہیت تک رسائی مشکل ہوگی۔

علم درایت جس کا موضوع متن حدیث ہے رجال کی تحقیق کی بہ نسبت زیادہ کٹھن اور مشکل کام ہے نقد متن کے لئے اصولِ درایت سے زیادہ فنی ذوق کی ضرورت ہوتی ہے جو حدیث رسول سے بہت زیادہ ممارست کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک جوہری جوہر پرکھنے کے راز کو مدتوں اس میں وقت لگانے کے بعد حاصل کرتا ہے اور پھر اس کی بنیاد پر کسی پتھر کو ہیرا یا خزف ریزہ قرار دینے کی پوزیشن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن دقیق العید اس فن کی بابت فرماتے ہیں: "حصلت لهم لكثرة محاولة الفاظ النبي صلى الله عليه وسلم هيئة نفسانية وملكة قوية يعرفون بها ما يجوز ان يكون من الفاظ النبوة وما لا يجوز"[۱] (الفاظ حدیث سے بکثرت ممارست کے نتیجہ میں ایک روحانی ہیئت اور قوی ملکہ حاصل ہوتا ہے جس سے معرفت ہوتی ہے کہ

الفاظ نبوی کیا ہو سکتے ہیں اور کیا نہیں)

یا اس فن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کی برسوں خدمت کرے اور اس کی پسند وناپسند سے اس طرح واقف ہو جائے کہ کوئی شخص اگر اس کے خلاف رائے دیتا ہو تو وہ اپنے تجربہ کی روشنی میں اس کی تردید کرے۔ اسی طرح حدیث کی معرفت کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ رسول کی زندگی کے ایک ایک پہلو سے اچھی طرح واقفیت ہو اور آپؐ کی ہر پسند وناپسند کا پورا علم ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حافظ ابن قیم سے پوچھا گیا کہ کیا کسی حدیث کی صحت کا پتہ بغیر اس کی سند دیکھے لگایا جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ" یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جسے سنن صحیحہ کی معرفت میں سیرابی حاصل ہو اور وہ اس کے خون وگوشت میں رچ بس گئی ہو اور سنن وآثار اور رسول اللہ کی سیرت پہچانتے ہیں، حضور جس چیز کا حکم دیتے تھے اور جس سے منع فرماتے تھے، جس بات کی خبر دیتے تھے، جس کی طرف دعوت دیتے تھے جس چیز کو پسند فرماتے تھے اور جس چیز کو برا سمجھتے تھے اور جس چیز کو امت کے لیے مشروع قرار دیتے تھے۔ ان سب چیزوں کو جاننے میں اسے ملکہ اور حد درجہ اختصاص حاصل ہو گیا ہو۔ گویا وہ آپؐ کے اصحاب میں سے ایک فرد ہو اور رسولؐ اس کے سامنے ہوں۔[۲]

علم درایت کی بنیاد قرآن میں بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یاایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسقٌ بنبا فتبینوا[۳]" (اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق کسی بات کی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو) اسی طرح حدیث رسول میں بھی ہے:" کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع[۴]" (آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی چیز کو، بغیر سوچے سمجھے، بیان کر دے)

اگرچہ یہ علم بحیثیت فن بعد میں وجود میں آیا لیکن اس کی ابتداء دور صحابہ ہی میں ہو چکی تھی، صحابہ جب کسی ایسی حدیث کو سنتے جو قرآنی تعلیمات یا سنت نبوی سے مطابقت نہ رکھتی تو اس پر بلا جھجک تنقید کرتے اس کا راوی خواہ کوئی بھی ہوتا۔ مثلاً حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو انھوں نے فرمایا:" حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ[۵]" (تمہارے لئے قرآن کافی ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ ہی کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی کہ جو شخص جنابت

کی حالت میں صبح کرے وہ روزہ نہ رکھے، تو سیدہؓ نے فرمایا: "ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یدرکہ الفجر وھو جنب من اھلہ ثم یغتسل ویصوم"[۳۵] رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں صبح کو بیدار ہوتے تو غسل فرماتے اور روزہ بھی رکھتے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری نے محمود بن ربیع کو کہتے سنا "فان اللّٰہ قد حرم علی النار من قال لا الٰہ الا اللّٰہ یبتغی بذالک وجہ اللّٰہ" (جس نے محض اللہ کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہا تو اللہ اس پر نارِ جہنم حرام کردے گا) تو فرمایا: "واللّٰہ ما اظن رسول اللّٰہ قال ماقلت قط"[۳۶] (خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ نے یہ کبھی نہ فرمایا ہوگا جو تم نے کہا۔

دورِ صحابہ میں اسطرح کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں نقدِ حدیث کا رواج تھا۔ لیکن اصل ضرورت اس کی اس وقت پیش آئی جب خلافت راشدہ کے اواخر میں خانہ جنگی کے نتیجہ میں سیاسی اغراض کے لیے جھوٹی حدیثیں بنائی جانے لگیں۔ ان حالات میں ایک طرف تو محدثین نے رجال کی تحقیق و تفتیش شروع کی دوسری طرف فقہا، حدیث کے متن کی جانچ وپرکھ کرنے لگے۔ محدثین نے راویوں کی جانچ وپڑتال کے لیے مختلف علوم فنون جیسے علم الاسناد، علم تاریخ الرواۃ، علم جرح وتعدیل اور علم مصطلح الحدیث ایجاد کیے تو دوسری طرف فقہا، نے نقدِ متن کے لیے اصول درایت وضع کیے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ سے مندرجہ ذیل اصولِ درایت منقول ہیں۔

(۱) حدیث کا متن مشہور سنت کے خلاف نہ ہو خواہ وہ سنت قولی ہو یا فعلی۔

(۲) حدیث کا متن صحابہ اور تابعین کے درمیان نہ ٹکراتا ہو خواہ ان کا وطن ایک ہی شہر میں ہو یا الگ الگ شہروں میں۔

(۳) حدیث کا متن عمومات یا ظواہر کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، اس لیے کہ کتاب قطعی الثبوت ہے اور اس کے ظواہر وعمومات قطعی الدلالۃ ہیں اور قطعی بہر حال ظنی پر مقدم ہوتا ہے۔ لیکن اگر حدیث عمومات قرآن اور ظواہر قرآن کی مخالفت کے بجائے اس کے مجمل کا بیان ہو تو اسے اس وقت تک قبول کیا جائے گا جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ قائم ہوجائے۔

(۴) حدیث کا متن اگر قیاس جلی کے خلاف ہو تو اس کا راوی فقیہ ہونا ضروری ہے اس لیے

کہ اگر راوی فقیہ نہیں تو اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی بیان کی ہو اور اس میں اس سے خطا واقع ہو گئی ہو۔

(۵) حدیث کا متن اگر بلویٰ (مصیبت اور آزمائش) جیسے حدود و کفارات کو بیان کرتا ہو جو شبہات کے ذریعہ ختم ہو جایا کرتی ہیں اور عام طور پر اس کے سننے اور جاننے والے ہمیشہ ایک سے زاید ہوتے ہیں تو ایسی حدیث کا مشہور ہونا ضروری ہے یا اسے امت نے قبول کیا ہو۔

(۶) حدیث کے متن میں سلف میں کسی نے طعن نہ کیا ہو۔

(۷) راوی کا عمل روایت کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کہ "کتا اگر کسی برتن میں منھ ڈال دے تو اس کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے" حضرت ابوہریرہؓ کا عمل اس حدیث کے خلاف تھا۔

(۸) حدیث کے متن یا سند میں کسی زیادتی کی صورت میں راوی کا بیان ثقاۃ سے علاحدہ نہ ہو اگر ایسا ہے تو ثقہ راویوں کی روایت کو قبول کیا جائے گا اور منفرد راوی کے اضافہ کو رد کر دیا جائے گا[۵۸]

فقہا میں امام مالک نقد متن کے لیے جمہور اہل مدینہ کے عمل کو بنیاد بناتے تھے چنانچہ محمد ابوزہو نے نقل کیا " فاشترط الامام مالک فی قبول خبر الواحد ان لا یعمل علی خلافہ الجمہور والجم الغفیر من اھل المدینہ اذ ان عملھم بمنزلۃ روایتھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروایۃ جماعۃ عن جماعۃ اولی بالقبول من روایۃ فرد عن فرد"[۵۹] (امام مالک نے قبولیت حدیث کے لیے یہ شرط رکھی کہ اس کا متن جمہور اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو اس لیے کہ اہل مدینہ کا عمل رسول اللہ سے بمنزلہ روایت کے ہے اور ایک جماعت کا دوسری جماعت سے روایت کرنا قبولیت کے اعتبار سے زیادہ اولیٰ ہے بہ نسبت ایک فرد کا دوسرے فرد سے)

دوسری صدی میں فقہاء ان اصولوں کی روشنی میں حدیثوں کی جانچ و پرکھ کرتے تھے اور ہر وہ روایت جو ان اصولوں کے خلاف واقع ہوتی اسے غیر معتبر قرار دیتے خواہ اس کا راوی کوئی بھی ہوتا۔ اس کے بعد اس علم میں اور ترقی ہوئی تو اس کے مزید اصول وضع کیے گئے اور ان اصولوں پر پوری نہ اترنے والی روایت کو موضوع قرار دیا جاتا۔ چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے اس فن میں بڑے شاندار کارنامے انجام دئے۔ انھوں

نے درایت کے نئے اصول وضع کرنے کے ساتھ ساتھ ہزاروں کی تعداد میں موضوع روایات کو ذخیرۂ حدیث سے الگ کیا اور پھر ان روایات کو "کتاب الموضوعات" کے نام سے جمع کر دیا جو آج بھی محفوظ ہیں۔

ابن جوزی کے علاوہ، ابن قیم (م ۷۵۱ ھ) علامہ سخاوی (م ۹۰۲ ھ) علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) اور طاہر پٹنی (م ۹۸۶ ھ) اور دوسرے ائمہ نے بھی اس فن میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ذیل میں ان اصول درایت کو اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جو ان ائمہ سے منقول ہیں اور اسی کے ساتھ موضوع روایات کی بعض مثالیں بھی جنھیں ان اصولوں کے تحت موضوع قرار دیا گیا۔

(۱) حدیث کا متن عقل کے خلاف ہو جس کی کوئی تاویل نہ کی جا سکے جیسے:

رد الشمس لعلی[۹] (حضرت علی کے لیے سورج ڈوبنے کے بعد لوٹا دیا جانا)

حمل علی باب خیبر[۱۰] (حضرت علی نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا)

(۲) حدیث کا متن محسوسات اور مشاہدات کے خلاف ہو۔ مثلاً۔ ان الارض علی صخرۃ والصخرۃ علی قرن ثور فاذا حرک الثور قرنہ تحرکت الصخرۃ فتحرکت الارض وھی الزلزلۃ[۱۱] (زمین چٹان پر ہے اور چٹان بیل کی سینگ پر ہے جب بیل اپنی سینگ کو ہلاتا ہے تو چٹان ہلتی ہے جس کے نتیجہ میں زمین ہلتی ہے اسی کا نام زلزلہ ہے)

المرء علی دین خلیلہ فلینظر بمن یخالل[۱۲] (آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے تو چاہیئے کہ دیکھے وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔)

(۳) حدیث کا متن قرآنی صراحت کے خلاف ہو۔ جیسے:

لا یدخل الجنۃ ولد الزنا[۱۳] (ولد زنا جنت میں نہیں داخل ہوگا)

یہ روایت قرآن کی آیت: ولا تزر وازرۃ وزر اخری[۱۴] (کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف ہے۔

(۴) حدیث کا متن سنت نبوی کے خلاف ہو سنت خواہ قولی ہو یا فعلی۔ جیسے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء کانوا یخطبون من جلوس[۱۵] (نبی اور خلفاء راشدین بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے) حالانکہ آپؐ کا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کا کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا معمول تھا جس کی تائید میں بہت سی احادیث ہیں چنانچہ جب یہ روایت حضرت سمرہ کے سامنے بیان کی گئی تو فرمایا کہ جس نے یہ حدیث بیان کی اس نے جھوٹ کہا[۱۶]

(۵) حدیث کا متن اجماع قطعی کے خلاف ہو۔ جیسے :

تمام وہ روایات جن میں حضرت علی کے لیے "وصی" (میرے وارث)، "خلیفتی من بعدی"[۱۸]
(میرے بعد میرے جانشین) جیسے الفاظ آتے ہیں وہ تمام کے تمام موضوع ہیں۔

اس لیے کہ اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کی تولیت کا حکم نہیں فرمایا۔

(۶) حدیث میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔ جیسے :

من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ اعمالہ اربعین سنۃ[۱۹] (جس نے مسجد میں کوئی دنیاوی بات کہی تو خدا اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع کر دے گا۔)

من ترك الصلوٰۃ حتی مضی وقتہا ثم قضی عزب فی النار حقبا والحقب ثمانون سنۃ والسنۃ ثلثمائۃ وستون یوما کل یوم کان مقدارہ الف سنۃ[۲۰] (جس نے ایک نماز ترک کی یہاں تک اس کا وقت گزر گیا پھر اس کی قضا کی تو اسے جہنم میں ایک حقب عذاب دیا جائے گا۔ ایک حقب اسّی سال کا ہوگا اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا اور ایک دن کی مقدار ایک ہزار برس ہوگی۔)

(۷) حدیث میں معمولی کام پر بھاری اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو۔ جیسے :

من صام یوم عاشوراء کتب اللہ لہ عبادۃ ستین سنۃ[۲۱] (جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اللہ اس کے لیے ساٹھ سال کی عبادت لکھ دے گا۔) ایسی روایات سے فرض اعمال کی اہمیت گھٹتی ہے اس لیے انھیں موضوع قرار دیا گیا۔

(۸) حدیث کے متن میں رکاکت پائی جائے یا ایسی بات جو شان نبوت کے خلاف ہو جیسے ثلاثۃ تزید فی البصر النظر الی الخضرۃ والماء الجاری والوجہ الحسن[۲۲] (تین چیزوں سے بصارت میں اضافہ ہوتا ہے۔ سبزہ، بہتا ہوا پانی اور خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھنا۔)

(۹) واضع حدیث خود اقرار کرے یا قرائن سے اس کا پتہ چل جائے۔

وضاعین حدیث میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو وضع حدیث کو اجر و ثواب کا کام سمجھ کر کرتا تھا۔ غلام خلیل اسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا جب اس سے رقائق کے موضوع پر گھڑی ہوئی حدیثوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "ہم نے انھیں اس لیے وضع کیا کہ لوگوں کے دل نرم ہوں[۲۳]"۔

اسی طرح ابوعبداللہ محمد بن الکرام السجستانی، جس کے متبعین "کرامیہ" کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے مذہب میں وضع حدیث جائز تھا۔[۲۴] ان لوگوں نے مندرجہ ذیل نوعیت کی احادیث وضع کیں۔

من قراء سورة الکهف لیلة الجمعة اعطی نورا من حیث قرأها الی مکة وغفرله الی الجمعة الاخری[۲۵] (جس نے جمعہ کی رات سورہ الکہف کی تلاوت کی اسے اس جگہ سے مکہ تک نور عطا کیا جائے گا اور آئندہ جمعہ تک کے اس کے گناہ معاف کردئے جائیں گے) من قرأ آیة الکرسی فی دبر صلوٰة لم یمنعهٗ من دخول الجنة الا الموت ومن قرأها حین یاخذ مضطجعه امنه الله علی داره ودار جاره ودویرات حوله۔[۲۶] (جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے تو اسے موت کے سوا کوئی چیز جنت میں جانے سے روک نہیں سکتی۔ اور جو اسے سوتے وقت پڑھے اللہ اس کا اور اس کے پڑوسیوں کے گھر اور ان کے اردگرد کے گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔)

(۱۰) حدیث کا مضمون قواعد طب کے متفقہ اصولوں کے خلاف ہو۔ جیسے:

یا حُمیراء لا تغسلی بماء الشمس فانهٗ یورث البرص[۲۷] (اے حمیرا (عائشہؓ) سورج کے گرم پانی سے غسل نہ کرو اس سے برص پیدا ہوتا ہے)

(۱۱) شہوت و فساد کی طرف رغبت دلاتی ہو۔ مثلاً

شهوة النساء تضاعف شهوة الرجال[۲۸] (عورت کی جنسی شہوت مرد کی شہوت سے زیادہ ہوتی ہے۔

اذا جامع احدکم زوجته فلا ینظر الی فرجها[۲۹] (جب تم میں کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کو نہ دیکھے۔

(۱۲) حدیث عصر نبوی کے معروف تاریخی واقعات اور حقائق کے خلاف ہو۔ مثلاً:

وضع الجزیة عن اهل خیبر[۳۰] (اہلِ خیبر سے جزیہ معاف کردیا گیا۔) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں نازل ہوا تھا اور نہ عرب اسے جانتے تھے۔ جزیہ کا حکم غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا۔[۳۱]

دخلت الحمام فرأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم جالسا وعلیه مئزر[۳۲] (میں حمام میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ پر ایک تہبند ہے۔) عرب

عہد نبویؐ تک لفظ "حمام" سے واقف نہ تھے حمام کا رواج عباسی خلافت کے زمانہ میں ہوا جب سے یہ لفظ عرب کے استعمال میں آیا۔[۳۳]

(۱۳) ایسی روایات جو فاقہ کشی اور رہبانیت کی ترغیب دلاتی ہوں جیسے:

حبّ الدنیا رأس کل خطیئۃ[۳۴] (دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے)

رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر قالوا وما الجہاد الاکبر قال جہاد القلب۔[۳۵] (آپؐ نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جارہے ہیں تو لوگوں نے کہا کہ جہاد اکبر کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ نفس کے خلاف جنگ (جہاد القلب) اس طرح کی روایات زہاد و صوفیاء نے وضع کیں جو خود گوشہ نشین تھے اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے تھے۔

(۱۴) حدیث کے متن میں کوئی ایسی بات مذکور ہو جس کے سننے اور جاننے والے بلا کسی عذر کے کثرت سے ہو سکتے تھے مگر سوائے ایک راوی کے اسے کوئی دوسرا راوی بیان نہیں کرتا: جیسے:

انہ اخذ بید علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بمحضر من الصحابۃ کلہم وہم راجعون من حجۃ الوداع فاقامہ بینہم حتی عرفہ الجمیع ثم قال ھٰذا وصی واخی والخلیفۃ من بعدی فاسمعوا لہ واطیعوا[۳۶] (حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے سامنے حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا وارث ہے اور میرا بھائی بھی اور میرے بعد خلیفہ، تو تم لوگ اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔)

(۱۵) حدیث کا متن حکمت و اخلاق کے عام قدروں کے منافی ہو۔ مثلاً:

ثلاث لا یرکن الیہا الدنیا والسلطان والمرأۃ[۳۷] (تین چیزوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا، سلطان اور عورت)

ایاکم وخضراء الدمن[۳۸] (گھورے پر جمی ہوئی سبزی سے بچو) یعنی ایسی عورت سے پرہیز کرو جو ظاہری طور پر دیکھنے میں حسین اور خوبصورت ہو مگر اس کا باطن خراب ہو۔

ایسے ابواب جن میں ایک روایت بھی صحیح نہیں

محدثین نے اصول درایت کے تحت مذکورہ بالا انواع کی روایات کو موضوع قرار

دینے کے علاوہ بہت سے ایسے ابواب کا بھی پتہ لگایا جن میں ایک روایت بھی صحیح نہیں جیسے:

(۱) یوم عاشورار کے موقع پر بعض اعمال کی فضیلت یا ممانعت: جیسے سرمہ لگانا، زینت اختیار کرنا اور اہل وعیال پر اس دن خوب خرچ کرنا۔ یا اس کے مقابلہ میں اس دن سوگ منانا۔ ان دونوں طرح کی روایات کو بدعتی فرقوں نے وضع کیا۔[۳۹]

(۲) ایسی روایات جن میں احمد یا محمد نام رکھنے کو نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا: جیسے: آلیت علی نفسی ان لا یدخل النار من اسمہ احمد ولا محمد[۴۰] (میں قسم کھاتا ہوں کہ ایسا شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔) اس طرح کی روایات اس لیے موضوع قرار دی گئیں کہ یہ بات دین کے ذریعہ ثابت ہے کہ کوئی شخص نام یا لقب کے ذریعہ دوزخ سے نجات نہیں حاصل کر سکتا۔ نجات صرف اعمال صالحہ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔

(۳) حیاۃ خضرؑ سے متعلق احادیث جن میں انھیں زندہ وجاوید ہستی تصور کیا گیا ہے۔ وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ امام بخاری، ابن تیمیہ، ابن جوزی اور دیگر ائمہ نے حیاۃ خضر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ ابن جوزی نے تو یہاں تک کہا کہ حیاۃ خضر کا تصور قرآن، سنت، اجماع اور عقل کے خلاف ہے۔[۴۱]

(۴) مختلف پیشوں کی تحقیر اور مذمت: اس طرح کی روایات اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[۴۲] (تم میں سب سے مکرم اللہ کے نزدیک وہ بندہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو) اس لیے اس باب میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ اس طرح کی موضوع روایات کی مثال یہ روایت ہے۔" بخلاء امتی الخیاطون[۴۳] (میری امت کے بخیل درزی ہیں۔)

(۵) کسی علاقہ، ملک، قوم، خاندان یا طبقہ کی تحقیر یا مذمت: اس طرح کی روایات ذاتی عناد اور تعصب کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ ان میں حبشہ، سوڈان اور ترکوں کی مذمت کرنے والی تمام احادیث شامل ہیں۔ جیسے یہ روایت: شر الرقیق الزنجی اذا شبعوا زنوا وان جاعوا سرقوا[۴۴] (سب سے برے غلام حبشی ہیں شکم سیر ہوتے ہیں تو زنا کرتے ہیں اور بھوکے ہوتے ہیں تو چوری کرتے ہیں)

(۶) ابدال، اقطاب، اغواث، نقباء، نجباء اور اوتاد کے سلسلہ کی تمام روایات موضوع ہیں جیسے:

الابدال اربعون رجلا واربعون امراۃ، کلما مات رجل بدل اللّٰہ مکانہ رجلا وکلما مات امرأۃ بدل اللّٰہ مکانہا امراۃ[۴۵] (چالیس مرد اور چالیس عورتیں ابدال ہیں ان میں جب کسی مرد یا عورت کا انتقال ہوجاتا ہے تو اللّٰہ اس کی جگہ دوسرے کو پیدا فرمادیتا ہے۔)

(۷) فرقۂ صوفیہ: اس عنوان کے تحت تمام روایات موضوع ہیں[۴۶]

(۸) اویس قرنی: اویس قرنی (تابعی) سے متعلق تمام روایات موضوع ہیں۔ امام مالک بن انس نے فرمایا کہ اس نام کا کوئی بھی آدمی نہیں[۴۷]

نسخ موضوعہ

ان کے علاوہ بعض بہت مشہور نسخے بالکل جعلی ہیں ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسے:

(۱) الاربعون الودعانیہ۔ اس نسخہ کو وضع کرنے والا زید بن رفاعہ ہے اور زید بن رفاعہ سے ابن ودعان نے چوری کیا۔[۴۸]

(۲) رسائل اخوان الصفا۔ اس نسخہ کو بھی وضع کرنے والا زید بن رفاعہ ہے۔[۴۹]

(۳) وصایا علی۔ اس نسخہ کو حماد بن عمرو النصیبی نے وضع کیا۔[۵۰]

ائمہ حدیث نے علم درایت کے ذریعہ ہزاروں کی تعداد میں موضوع روایات کو ذخیرۂ حدیث سے الگ کیا ان میں بہت سی ایسی روایات شامل ہیں جن کی سندیں صحیح معلوم ہوتی تھیں اور وہ حدیث کی مستند کتابوں میں مندرج تھیں مثال کے طور پر مندرجہ ذیل روایات:

(۱) اللّٰہ نے زمین کو سنیچر کے دن، اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن اس کی ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم کو مخلوق میں سب سے آخر میں جمعہ کے دن آخری ساعات یعنی عصر اور رات کے درمیان پیدا فرمایا۔[۵۱]

اس روایت کو محدثین نے اس لیے موضوع قرار دیا یہ قرآنی صراحت کے خلاف ہے۔ قرآن میں ہے: خلقنا السمٰوات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام[۵۲] (اللّٰہ نے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ روز میں پیدا کیا۔) لیکن مذکورہ بالا روایت کی رو سے پیدائش کی مدت سات روز بیان کی گئی۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں آسمان کی پیدائش کا ذکر ہی نہیں صرف زمین اور اس کی اشیاء کو سات دن میں پیدا کرنے

کا ذکر ہے جبکہ قرآن میں زمین اور اس کی چیزوں کو چار دن میں پیدا کیے جانے کا ذکر ہے[۵۳]

(۲) "اسلام غربت سے شروع ہوا پھر اسی حالت میں لوٹ جائے گا جیسا شروع ہوا تھا اور مدینہ میں سمٹ جائے گا جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں بیٹھ جاتا ہے۔"[۵۴]

(۳) "یہود و نصاریٰ بہتر فرقے ہوئے اور مسلمان تہتر فرقے ہو جائیں گے۔"[۵۵]

یہ اور اس قسم کی دیگر روایات جن میں اسلام کے زوال اور پامال ہونے کی آرزوئیں یا مسلمانوں کے ہلاک ہونے کی تمنائیں شامل ہوں قرآنی آیات "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"[۵۶] (اسی نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے) یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون[۵۷] (کافر لوگ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کی روشنی کو اپنے منھ سے بجھا دیں مگر اللہ اسے ضرور پورا کرے گا خواہ کافروں کو یہ بات ناگوار گزرے) کے خلاف ہیں۔ ایسی روایات یہود و نصاریٰ وضع کرتے تھے جو اسلام کو پھلتا اور پھولتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اگرچہ ان روایات کے راوی نہایت ثقہ ہیں مگر چونکہ ان کا متن قرآنی صراحت کے خلاف واقع ہے اس لیے انھیں موضوعات کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ ایسی روایات میں بخاری و مسلم کی ایک ایک، سنن ابوداؤد کی نو، ترمذی کی تیس[۳۰] نسائی کی دس ابن ماجہ کی تیس[۳۰] اور مسند احمد بن حنبل کی اڑتیس روایات شامل ہیں جنھیں امام ابن جوزی نے موضوع قرار دیا۔ ابن جوزی کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی ان کتب کی مرویات کو نقد و تحقیق کا موضوع بنایا اور بہت سی موضوع روایات کی نشاندہی کی۔

ائمہ حدیث نے علم درایت کی ایجاد کر کے نقد متن میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ وہ موضوع روایات جو علم روایت کے ذریعہ ذخیرہ احادیث سے خارج نہ ہو سکیں ان کی نشاندہی اس علم کی بنیاد پر کی گئی۔

اگرچہ ذخیرۂ حدیث سے بڑی تعداد میں موضوع روایات کو خارج کر دیا گیا تاہم اس علم کی ضرورت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ذخیرہ میں اب بھی بہت سی ادویات موجود ہیں جن کا متن تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایسی روایات زیادہ تر فضائل، ترغیب و ترہیب اور مواعظ و قصص کے ابواب میں پائی جاتی ہیں۔ جن کے متن پر اسی طرح کی نقد و تحقیق کی ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ شمس الدین محمد السخاوی، فتح المغیث ۔ شرح الفیۃ الحدیث ۱۱۳/ ۔ انوار محمدی سنہ ۱۳۰۳ھ

۲۔ شمس الدین ابن قیم، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ۴۳/-۴۴ بیروت سنہ ۱۹۷۰ء

۳۔ الحجرات ۶/

۴۔ مسلم، مقدمہ

۵۔ مشکوٰۃ، باب البکاء علی المیت

۶۔ مسلم، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضانہ۔

۷۔ بخاری، باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ

۸۔ محمد ابوزہو، الحدیث والمحدثون ۲۸۱/ - ۲۸۲، مصر سنہ ۱۳۷۸ھ

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ علی القاری، موضوعات کبیر ۲۲۵/، قرآن محل کراچی۔

۱۱۔ ایضاً ص ۲۰۳

۱۲۔ شمس الدین ابن قیم، المنار والمنیف فی الصحیح والضعیف ۷۸/، بیروت سنہ ۱۹۷۰ء

۱۳۔ ایضاً ص ۴۵

۱۴۔ جلال الدین سیوطی، اللآلی الموضوعہ ۲۲۳/ ، مطبع علوی (ہند) سنہ ۱۳۰۲ھ

۱۵۔ الانعام ۱۶۴/

۱۶۔ الحدیث والمحدثون ۳۱۰/

۱۷۔ ایضاً ص ۳۰۸

۱۸۔ اللآلی المصنوعہ ۲۱۹/ ، ۱۹۷

۱۹۔ محمد طاہر الفتنی، تذکرۃ الموضوعات ۳۶/ ، مصر سنہ ۱۳۴۳ھ

۲۰۔ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار ۲۰۳/ دار المصنفین دہلی سنہ ۱۹۸۰ء

۲۱۔ موضوعات کبیر ۴۸۵/

۲۲۔ ایضاً ص ۵۰۶

۲۳۔ اللآلی المصنوعہ ۵۹۷/

۲۴۔ ابن صلاح، مقدمہ ۲۱۲/ ، مطبع دار الکتب سنہ ۱۹۷۶ء

۲۵۔ تذکرۃ الموضوعات ص ۷۸

۲۶۔ اللآلی المصنوعہ ۱۳۷/

۲۷۔ المنار المنیف ۶۰/

۲۸۔ شمس الدین محمد السخاوی، المقاصد الحسنہ ۲۵۵/ ۔ بغداد سنہ ۱۹۵۶ء

۲۹۔ اللآلی المصنوعہ ۴۰۸/

۳۰۔ المنار المنیف ۱۰۴/

۳۱۔ ایضاً

۳۲۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ۱۱۷/، قاہرہ سنہ ۱۹۶۱ء

۳۳۔ موضوعات کبیر ۲۶۰/

۳۴ھ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی ۲۸۷/۱، لاہور، پاکستان۔

۳۵ھ موضوعات کبیر/۲۲۲ ۳۶ھ المنار المنیف/۵۷

۳۷ھ موضوعات کبیر/۱۸۲ ۳۸ھ ایضاً ص۱۵۳

۳۹ھ موضوعات کبیر/۵۶۱، المنار المنیف/۱۱۱

۴۰ھ ایضاً/۵۰۵، ایضاً/۶۱

۴۱ھ المنار المنیف/۶۷۔ ابن قیم نے فرمایا: الاحادیث التی فیہا الخضر وحیاته کلہا کذب ولا یصح فی حیاته حدیث واحد۔ اگرچہ یہ مسئلہ متاخرین کے یہاں باعث نزاع رہا ہے مگر اکثریت نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حیاۃ خضر کا تصور غلط ہے۔

۴۲ھ الحجرات/۱۳ ۴۳ھ المقاصد الحسنہ/۱۴۳

۴۴ھ اللآلی المصنوعہ/۲۷۱، المنار المنیف/۱۰۱

۴۵ھ المنار المنیف/۱۳۶ ۴۶ھ موضوعات کبیر ۲۰۳ھ

۴۷ھ Goldziher, Muslim Studies, 2/140 London 1971

۴۸ھ محمد بن علی الشوکانی، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ/۲۳۷، بیروت ۱۹۸۶ء، علامہ شوکانی فرماتے ہیں لا یصح منہا حدیث مرفوع علیٰ ہٰذا النسق فی ہٰذہ الاسانید۔ ۴۹ھ ایضاً

۵۰ھ تدریب الراوی ۲۹۰/۱، موضوعات کبیر/۴۶۵۔ اس میں صرف ایک پہلی حدیث صحیح ہے، تذکرۃ الموضوعات/۸۔

۵۱ھ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب ابتدائے خلق۔ اس روایت کے متعلق ابن قیم نے فرمایا کہ یہ کعب الاحبار کا قول ہے حدیث نہیں۔ المنار المنیف/۸۵

۵۲ھ قٓ/۳۸

۵۳ھ حٰمٓ السجدہ/۹-۱۱

۵۴ھ ترمذی، کتاب الایمان، باب ان الاسلام بدا غریبا۔

۵۵ھ ایضاً۔ باب افتراق ہٰذہ الامۃ

۵۶ھ الصف/۹

۵۷ھ ایضاً/۸